حضرت الاسلام مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی

دوامِ حدیث

قسط ۲۹

اسلام ایک

سترہواں باب ـــــــ تقدیر

اس کا خلاصہ یہ ہے :

"تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو ایک خاص نظام میں مربوط کر دیا ہے۔ علت و معلول، سبب و مسبب کا سلسلہ بنا دیا ہے۔ ہر زمانے میں کاہلی کا نتیجہ ناکامی، محنت کا کامیابی، بدعملی کا رسوائی، جہالت کا ذلت، علم کا عزت، عبادت کا پاکیزگی، اور بلند کردار کا رفعت رہا ہے۔ یہ نتائج کسی قوم، کسی عقیدے، کسی دعا، کسی منتر، کسی چلّے، یا کسی عبادت کی وجہ سے نہ آج تک بدلے اور نہ آئندہ بدلیں گے۔ انسان اعمال کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ چاہے تو شریف بنے یا شریر، محنتی یا کاہل۔ لیکن نتائج بھگتنے پر مجبور ہے۔ یہی تقدیر ہے اور اسی کا نام قضائے الٰہی ہے۔ سہ

کافر ہے تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو آپ ہے تقدیرِ الٰہی!

یہ تھا تقدیر کا قرآنی تخیل۔ اب ذرا حدیثی تخیل ملاحظہ ہو۔

حضور فرماتے ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچ کر چالیس دن کے بعد منجمد سا خون بن جاتا ہے۔ پھر وہ لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے کہ جاؤ اور اس

لو تم طرے کے اعمالِ زندگی، رزق، موت اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ ابھی لکھ لو۔ اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

. . . اگر یہ فیصلہ پہلے ہی لکھ لیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے اتنے پیمبر کیوں بھیجے، بیشمار اقوام کو غرق کیوں کیا اور چور کے ہاتھ کیوں کاٹے؟

آج ساری دنیائے اسلام حدیثی تقدیر کے مہلک تصور میں گرفتار ہے۔ ہر جگہ پٹ رہی ہے اور پھر بھی اس دھن میں مست ہے کہ اللہ کی مرضی، میں کیا کر سکتا ہوں۔" (دو اسلام)

الجواب:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تقدیر سے جبر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ تقدیر حقیقت میں سلسلہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے مجموعہ کا نام ہے۔ پھر اس کے علم کا جو باری تعالیٰ کو حاصل ہے، پھر اس کی کتابت کا، پھر اسکی قدرت کی تاثیر کا۔ یعنی جہان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے لئے ایک سبب موجود ہوتا ہے۔ جس کے پیدا ہونے پر وہ شے وجود اختیار کرتی ہے۔ مثلاً انسان بیمار ہوتا ہے تو بیماری (جو نظامِ جسم کے بگاڑ کا نام ہے) کسی سبب سے ہوتی ہے۔ جب وہ سبب اپنے اس نصاب پر پہنچ جاتا ہے، نظامِ جسمانی میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو تو بیماری نمودار ہو جاتی ہے۔ اور یہ سبب بھی دراصل کسی اور شے سے موجود ہوتا ہے۔ پھر یہ شے بھی کسی اور وجہ سے۔ اس طرح یہ سلسلہ ماضی میں جاتا ہے اور انسان جو کام کرتا ہے پہلے اس کا علم اس کو ہوتا ہے۔ پھر شوق، پھر ارادہ۔ اور ارادہ سے عصبی اور عضلاتی تحریک سے اعضاء میں حرکت ہوتی ہے۔ پس یہ فعل ارادہ سے، ارادہ شوق سے، شوق علم سے، اور علم سننے، دیکھنے اور غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور شوق کے پیدا کرنے میں کسی فعل کے منافع کے نصاب مخصوص کو دخل ہوتا ہے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں معمولی منفعت سے شوق پیدا ہو جاتا ہے اور بعض معمولی منفعت سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی حال تمام اسباب کا ہے۔ یہ سلسلۂ اسباب اور ان کے نتائج اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اور اس نے اپنے اس علم کو غیب میں منضبط کر دیا ہے اور پھر اس کے بعد سارے نظام کا ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ اس ربط کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اس سارے جہان کے وجود اور تغیر میں دخل ہے اور اسی کا نام تقدیر ہے۔

انسان واقعی خود مختار ہے، چاہے مومن بنے چاہے کافر بنے۔ تقدیر صرف نتائج کا نام نہیں بلکہ اسباب اور نتائج کے مجموعہ کا نام ہے۔ حدیث میں جو ذکر ہوا ہے وہ بھی تقدیر کا ایک حصہ ہی ہے۔ اگر ادویہ کے افعال و خواص کا ذکر ہے تو وہ بھی تقدیر کا حصہ ہے۔ اگر انسانی مزاج کی بحث ہے تو وہ

بھی تقدیر کی بحث ہے۔ عناصر کے افعال و خواص بھی تقدیر کی بحث کا جزء ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو قبل از وقت جانتا ہے، یہ بھی تقدیر میں داخل ہے۔ اور اللہ کے سہارے سارا جہان قائم ہے۔ یہ بھی اسی تقدیر کا ایک شعبہ ہے۔ جب سارا جہان اس کے سہارے قائم ہے تو اس کی قدرت کو اس میں دخل ہے۔ تقدیر ایسی چیز نہیں، جس کے ماننے پر انسان اپنے آپ کو مجبور پائے بلکہ یہ ایک علم کا نام ہے۔ جب ہم کھجور کی ایک گٹھلی کو دیکھتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ گٹھلی اگر اس قسم کی زمین میں بوئی جائے تو اتنے عرصہ میں اس میں فلاں فلاں تغیرات ہوں گے اور اتنی مدت کے بعد یہ پھل دے گی اور اس کا پھل میٹھا ہوگا یا کڑوا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو!

اسی طرح نطفہ بھی گٹھلی کی طرح اپنے اندر وہ تمام امور لئے ہوتا ہے، جن کا ظہور ان کے نشو و نما میں اخیر تک ہوتا رہتا ہے۔ یعنی یہ نطفہ یہ تغیرات اختیار کریگا اور فلاں وقت باہر آئیگا، پھر اس کا نشو و نما اس نہج پر ہوگا بچپن میں اس کا رنگ، اس کی شکل اور اس کے جذبات اس قسم کے ہونگے، سخی ہوگا یا کنجوس، دلیر ہوگا یا بزدل وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے۔ اس کے علم میں تمام امور جزئیہ آجاتے ہیں۔ اگر فرشتہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اس نطفہ کی حالت میں مدد لے تو سب کچھ قبل از وقت معلوم کر سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے انسان مجبور نہیں ہوتا کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، اس کے لئے علّت و سبب نہیں ہوتا۔ پس سلسلۂ اسباب اپنی جگہ جیسے پہلے تھا ویسے اب ہے۔ جیسے پہلے انسان مختار تھا، ویسے اب بھی مختار ہے۔ جو چاہے کرے، حدیث انسان کو سست نہیں کرتی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعض لوگ جہالت کی بنا پر سست ہو جاتے ہیں۔ اگر حقیقتِ حال کو دیکھیں تو دلیر ہو جائیں۔ کیونکہ تقدیر سے قرآن نے یہ سبق دیا ہے کہ مصیبت اور موت سے انسان کو مفر نہیں۔ اس واسطے مصیبت اور موت کے اندیشہ سے اپنی کوشش ترک نہیں کرنی چاہیئے۔ فرمایا:

"ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم الآیۃ"

کہ "جو مصیبت زمین میں یا تمہاری جان میں آئے تو ہم نے اس کو اس کے ہونے سے پہلے لکھ دیا ہے اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔ یہ اس لئے کہ تم سے کوئی شے فوت ہو جائے تو غم نہ کرو اور اگر کچھ مل جائے تو زیادہ خوش نہ ہو جاؤ۔"

اٹھارہواں باب ـــــ متضاد احادیث

اس باب میں ایک بخاری کی حدیث لکھی ہے جس سے عورت کے مرتبہ پر استدلال کیا ہے۔ مگر افسوس کہ ترجمہ پر نظرِ ثانی نہیں کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دورانِ تقریر فرمایا کہ جو تین بچے پیدا کرے گی، اللہ اسے نارِ جہنم سے بچا لیگا۔ ایک عورت نے کہا، دو بچے والی؟ فرمایا، دو والی بھی جنت میں جائے گی۔" (بخاری ج ۱، ص ۲۰)

بالکل درست فرمایا تھا حضور نے، سارا قرآن شاہد ہے کہ انسانی خدمت بہت بڑے اجر کی مستحق ہے۔ تو کیا بچوں کی تولید و تربیت انسانی خدمت نہیں؟" (دو اسلام ص ۳۰۵)

اس حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جو عورت تین بچے اگلے جہان میں بھیج چکی ہو، یعنی مر گئے ہوں تو وہ بچے اس کے لئے جہنم سے حجاب بن جائیں گے۔ چنانچہ یہی روایت ج ۱، ص ۱۶۷ میں ہے۔ جس کے لفظ یہ ہیں:

"ایما امرءۃ مات لہا ثلٰثۃ من الولد کن لہا حجابا من النار۔"

"جس عورت کے تین بچے مر جائیں تو وہ اس کے لئے آگ سے حجاب ہو جاتے ہیں۔"

مگر مصنف نے تولید کے معنی سمجھ لئے ہیں۔ اور اس سے عورت اور ماں کی فضیلت تولید کے اعتبار سے سمجھی ہے ـــــ پھر اس کے بعد یہ حدیث ذکر کی ہے:

"الجنۃ تحت اقدام امہاتکم"

"جنت تمہاری ماؤں کے پاؤں تلے ہے۔"

اس کے بعد ایک اور حدیث لکھی ہے جو ان کے خیال میں پہلی حدیث کے متعارض ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"رأیت النار فاذا اکثر اھلہا النساء۔"

"آنحضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر آبادی عورتوں کی نظر آئی۔"

یعنی ایک طرف تو دو بچوں والی ماؤں کو جنتی بنایا جا رہا ہے بلکہ ساری جنت ماں کے قدموں میں پھینکی جا رہی ہے اور دوسری طرف اس کے جہنمی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔" (دو اسلام ص ۳۰۸)

الجواب: ماں کی خدمت میں بچے کو جنت ملتی ہے۔ اگر ماں کے عمل اچھے نہ ہوں تو اس صورت میں ماں جنت میں نہیں نہیں جا سکتی۔ اور اگر کسی مسلمان عورت کے تین یا دو بچے مر جائیں اور وہ صبر کرے تو جنتی ہے۔ اس سے یہ لازم

نہیں آتا کہ جو عورت بدزبان اور خاوند کی نافرمان ہو وہ بھی جنت میں چلی جائے ۔ جس صورت میں یہ ذکر کیا ہے کہ میں نے آگ میں عورت کو زیادہ دیکھا ہے، اس میں اس کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ اس کی وجہ خاوند کی ناشکری اور بدزبانی ہے ۔ جو عورت صابرہ ہو گی لامحالہ وہ بدزبان نہیں ہو سکتی نہ خاوند کی نافرمان ہو سکتی ہے ۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ جہنم میں اکثر عورتیں ہی ہونگی بلکہ یہ آپ نے اپنا کشف بتایا کہ مجھے ایسا نظر آیا اور اس کی وجہ بھی بتائی ۔ یعنی یہ بات ان کیلئے جہنم کا سبب بن سکتی ہے ۔ اگر دوسرے اسباب اس کے خلاف جمع ہو جائیں تو جنت میں جا سکتی ہیں ۔ بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں سے عورتیں دوگنی جنت میں ہوں گی ۔

آگے ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ " اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے وہ انکار کر دے اور شوہر ناراض ہو کر رات گذارے تو اس عورت پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں" ——— اس حدیث کے بعد فضول باتیں لکھی ہیں، لب و لہجہ طرزِ کلام بالکل سوقیانہ ہو گیا ہے ۔

قرآن مجید سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے : "فالصالحات قٰنتٰت الآیۃ"

"نیک بیبیاں وہ ہیں جو خاوند کی فرمانبردار رہوں"

الرجال قوامون علی النساء "

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں" ——— حاکم یا امیر کا مطلب ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جاوے ۔

اس کے بعد دو متعارض حدیثیں لکھی ہیں :

درخت کاٹنا :

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں یزید بن سفیان کو ایک فوج کا سالار بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو ساتھ مندرجہ ذیل ہدایات بھی دیں ۔

کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کوئی پھل والا درخت نہ کاٹنا ——— لیکن بخاری میں مذکور ہے کہ حضور نے بنی نضیر کے کچھ درخت جلا دیئے اور کچھ کاٹ کر رکھ دیئے ۔ (بخاری ج ۲ ص۳)

اگر حضور نے ایسا کیا ہوتا تو حضرت صدیق آپ کی سنت کو ضرور زندہ رکھتے " (دو اسلام ص۳۱۱)

الجواب :

ضرورت کے وقت درختوں میں دشمن پناہ لیں تو ایسی حالت میں درختوں کا کاٹنا جائز ہے ویسے منع ہے ۔ یہ حکم قرآن مجید میں ہے :

"ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ ولیخزی

الفاسقین " (الحشر)

اگر (مصلحت سمجھ کر) تم کوئی درخت کاٹو یا اس کو اسی طرح جڑوں پر کھڑا رہنے دو (اگر مناسب ہو)
تو اس میں اللہ کی اجازت ہے۔ اور فاسقوں کی رسوائی ہے "

——— اعتراض کرتے وقت قرآن بھی نہیں دیکھتے یا جانتے ہی نہیں!

آگ سے عذاب دینا:

"ایک حدیث میں آگ کے عذاب کی ممانعت ہے اور اس کی وجہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے یہ فرمائی ہے کہ "آگ سے عذاب دینا صرف اللہ کا کام ہے" (بخاری) اور ایک دوسری حدیث میں ہے، جب ایک جماعت مسلمان ہو کر آنحضرت کی اونٹنیوں کو چرا کر لے گئے اور چرواہے کو قتل کر گئے تو آپ نے انہیں مندرجہ ذیل سزائیں دیں۔

(ا) پہلے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے (ب) پھر لوہے کی سلائیں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیریں (ج) اسکے بعد گرم ریت پر پھینک دیا۔ وہ تڑپ تڑپ کر پانی مانگتے رہے لیکن کسی نے نہ دیا اور ہلاک ہو گئے یہ بے رحمی رحمۃ للعالمین کی شان سے بعید ہے۔ ہاں باغیوں کے لئے چار سزائیں ہیں۔ قتل کر دیئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا جائے یا جلا وطن کر دیئے جائیں لیکن ان چار سزاؤں میں سے صرف ایک کی اجازت ہے۔ اللہ کا ارشاد واضح ہے کہ یا یہ سزا دو اور یا وہ۔ خود حضور کا ارشاد موجود ہے کہ "آگ سے عذاب صرف اللہ کا کام ہے" (دو اسلام ص ۳۱۳)

الجواب:

جس وقت یہ لوگ پکڑ کر لائے گئے، یہ آیت نہیں اتری تھی۔ پھر آیت میں "او" کا لفظ ہے۔ جس کا معنی اختیار کا ہے اور یہ لفظ کبھی ایسی جگہ بھی بولا جاتا ہے جہاں دونوں کام جائز ہوتے ہیں اور ایک پر اکتفا جائز ہوتا ہے۔

"هل ينظرون الا ان تأتيهم الملئكة او يأتي ربك او ياتي بعض آيات ربك "

" یہ لوگ یا تو فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں یا تیرے رب کے آنے کے اور یا تیرے رب کے بعض نشانات کی انتظار میں ہیں۔"

اب ظاہر ہے کہ فرشتے، رب اور رب تعالیٰ سبھی آسکتے ہیں۔

" لا تطع منهم آثما او كفورا "

"نہ کہا مان گناہ گار یا ناشکرے کا"

یعنی نہ اس کا اور نہ اسکا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا حکم نہ مانو اور دوسرے کا مان لو۔

باقی رہا آگ کا عذاب تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے چرواہے کو اسی طرح مارا تھا۔ لہٰذا بموجب نصِ قرآن "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الآیۃ" مقتول کا بدلہ لینے میں تم پر مساوات کا خیال رکھنا ضروری ہے ——— آگ کا عذاب ابتداءً منع ہے۔ یہ نہیں کہ صورتِ قصاص میں بھی منع ہو۔ آجکل جنگ میں آتشیں اسلحہ ہی استعمال ہوتا ہے۔ آپ کے خیال کے مطابق تو آتشیں اسلحہ سے بالکل لڑائی نہیں کرنی چاہیئے خواہ دشمن ابتدا بھی کرے۔

کیا گھوڑا منحوس ہے!

اس ضمن میں دو حدیثوں میں تعارض اس طرح بیان کیا ہے:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت کا گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا منحوس نہیں ہوتا، اگر منحوس ہوتا تو یہ نام نہ رکھتے۔

دوسری حدیث میں ہے: تین چیزیں منحوس ہیں، گھوڑا، عورت، مکان۔

الجواب:

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمام گھوڑے منحوس ہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ نحوست ان چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ نہ سب عورتیں اور نہ سب مکان۔ ہاں ان میں سے بعض منحوس ہوتے ہیں۔ پھر منحوس ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی وجہ سے انسان کے حالات (غنیٰ، فقر یا صحت و بیماری میں) کچھ تبدیلی ہوتی ہے۔ گھوڑا اگر ایسا ہو کہ سوار نہ ہونے دے، عورت نیک چلن نہ ہو، مکان کی آب و ہوا خراب یا کسی ارواح کی وجہ سے خطرناک ہو تو یہ اس کی نحوست ہے۔

نماز میں بھولنے کی وجہ:

ابو ہریرۃ، حضور سے روایت کرتے ہیں کہ جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان بھاگ نکلتا ہے اور اذان کے بعد واپس آجاتا ہے۔ جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ پھر بھاگ جاتا ہے اور پھر نماز شروع ہونے کے بعد واپس آکر نمازی پر مسلط ہو جاتا ہے، اسے بھولی ہوئی باتیں یاد دلانا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ نمازی بھول جاتا ہے اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں؟ (بخاری)

شیطان کا اذان کی عربی عبارت سے گھبرانا لیکن نماز کی لمبی چوڑی دعاؤں کی پرواہ نہ کرنا اور نمازی پر سوار ہونا کیسی منطق ہے۔ اگر نماز میں بھول صرف شیطانی تسلط کی وجہ سے ہوتی ہے تو آنحضور کیوں بھول جاتے تھے؟" (دو اسلام ص ۳۱۵)

الجواب:

اس عبارت میں مصنف نے دو اعتراض کئے ہیں۔

(۱) اذان سے کیوں بھاگتا ہے اور نماز کی دعاؤں سے کیوں نہیں بھاگتا (۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں بھولے؟ ——— پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شیطان بھاگتا اس لئے نہیں کہ وہ اذان سے مرعوب ہو جاتا ہے بلکہ وہ توحید کے اعلان کو سننا گوارا نہیں کرتا۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ اذان سے مرعوب ہو جاتا ہو۔ اس صورت میں مصنف کا یہ اعتراض پھر سامنے آتا ہے کہ وہ نماز کی دعاؤں سے کیوں نہیں بھاگتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق تو شیطانی سرشت اور کلمات کی تاثیر کے ساتھ ہے اور شیطانی وسوسہ سے نسیان کا ہو جانا قرآن میں بھی مذکور ہے:

"وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ اللہ"

دوسری جگہ فرمایا:

"واما ینسینك الشیطان"

"اگر تجھے شیطان بھلا دے"

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شیطانی وسوسہ سے بھی نسیان ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں کہیں نسیان ہو، شیطان ہی کی جانب سے ہوگا۔

اس کے بعد اسی قسم کی اور حدیث سناتے ہیں،

"آنحضرت کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں شخص دن چڑھے تک سویا رہا، آپ نے فرمایا کہ شیطان اس کے کانوں میں موت گیا تھا اس لئے سویا رہا"

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "ایک دفعہ آنحضرت بھی سو گئے تھے" (دو اسلام)

اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ وہ شخص فرض نماز پڑھے بغیر سو گیا تھا۔ جیسے فتح الباری میں ہے۔ سفیان کی روایت میں ہے کہ یہ شخص فرضی نماز سے سو گیا تھا۔ یعنی عشار کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ بخاری میں یہ لفظ ہیں:

"مازال نائما فی الصبح"

"صبح تک سویا رہا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عشار کی نماز پڑھی تھی۔ صبح کی نماز سے غفلت ہو گئی تھی۔ اس جگہ عشار کی نماز مراد ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حالت اور اس شخص کی حالت میں فرق ہے کہ وہ شخص ایسے وقت میں سویا جس وقت سونا ممنوع تھا۔ عشار کی نماز عمداً چھوڑ دی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت

سوئے جس وقت سونے کی اجازت ہے اور بطور حضرت بلالؓ کو نگہبان مقرر کیا مگر سب پر نیند ایسی غالب آئی کہ دن چڑھے اٹھے ۔ یہ سونا اختیاری معاملہ نہ تھا ۔ مصنف نے حدیث کا ترجمہ ایسا کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بھی دن چڑھے اٹھا تھا ، حالانکہ حدیث میں ہے کہ " وہ صبح تک سویا رہا ۔"

تعظیم قبلہ :

حضورؐ کا ارشاد ہے ، جب تم میں سے کوئی شخص تقضائے حاجت کیلئے بیٹھے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ ۔" (بخاری)

اور یہ بھی ملاحظہ ہو ۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے پاس والے مکان کی چھت پر چڑھا ، کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور علیہ السلام قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے قضاء حاجت فرما رہے ہیں ——— کس کو صحیح سمجھیں ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث کے لفظ یہ ہیں : " جب تم میں سے کوئی شخص غائط (جنگل) کو جائے تو وہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ " ——— اس حدیث کا تعلق میدان کے ساتھ ہے اور دوسری حدیث کا تعلق عمارت کے ساتھ ہے ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث قولی ہے اور دوسری فعلی ، قول و فعل میں اگر تعارض ہو تو اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ فعل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو اور باقی قول پر عمل کریں ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ سب احادیث کو جمع کرکے مطلب نکالا جائے ۔ پس پہلی حدیث عام ہے اور دوسری اس کی مخصص ہے ۔ پس عمارت کی صورت اس پہلی حدیث سے مستثنیٰ ہوگی ۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں نہی تنزیہہ کے لئے ہے ۔ پس فعل اس لئے ہے کہ اس نہی کا مرتبہ معلوم ہو جاوے ۔

کیا احرام میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے :

"صعیب کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے پاس ایک گورخر بھیجا ، آپ نے لوٹا دیا اور فرمایا کہ میں نے احرام باندھا ہوا ہے ورنہ ضرور لے لیتا ۔"

اب دیکھئے یہ حدیث :

سال حدیبیہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ ابو قتادہ بھی تھا جس کے بغیر باقی سب نے احرام باندھا ہوا تھا ۔ اثنائے سفر میں ایک گورخر نظر آگیا ۔ پھر قتادہ سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا اور آخر اسے برچھے سے مار لیا ۔ ذبح کرکے پکایا ، اور صحابہ کے پیش کیا ۔ صحابہ نے حضور سے پوچھا ، کیا ہم کھالیں ؟ فرمایا کھالیں ۔ یہ حلال ہے ۔"

الجواب: اصل مسئلہ اس طرح ہے کہ حلال اگر اپنے لئے شکار کرے تو محرم کھا سکتا ہے۔ اگر محرم کیلئے یا محرم کو زندہ شکار پکڑ کر ہدیہ دے تو ہدیہ قبول نہ کرے۔ حدیث کے لفظ اس طرح ہیں:

"صید البر حلال لکم ما لم تصیدوه او یصد لکم انسان"

"خشکی شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ تم خود شکار نہ کرو یا تمہارے لئے نہ کیا جائے"

پس پہلی صورت میں اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے چونکہ زندہ گورخر پیش کیا، اسواسطے آپؐ نے سمجھا کہ یہ میرے لئے لایا ہے۔ اسی لئے بعد میں بھی جب اس نے اس کا ایک عضو پیش کیا تو قبول نہ کیا۔ (فتح الباری) اور دوسری صورت میں اس نے خود شکار کیا پھر خود ہی ذبح بھی کیا پھر پکا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے اس سے لیکر کھالیا۔

کیا احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے؟

"حضور کا فرمان ہے کہ احرام میں ایسے کپڑے مت پہنو جس پر زعفران یا کوئی اور خوشبو لگائی گئی ہو" (مسلم)

"ایک آدمی خوشبودار جبہ پہنے آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے فرمایا، جبہ دھو ڈالو خوشبو کا اثر مٹا دو اور پھر عمرہ کرو۔" (مسلم)

قول جمہور یہی ہے کہ خوشبو حرام ہے لیکن "حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ احرام باندھتے اور توڑتے وقت میں حضور پہ خوشبو چھڑکا کرتی تھی۔" (مسلم) "اس خوشبو میں مشک (کستوری) ڈال دیا کرتی تھی اور احرام کی حالت میں اس تیل کی چمک حضور کے بالوں میں دور سے آتی تھی"!

الجواب:

احرام باندھنے کے وقت خوشبو لگانی جمہور کے نزدیک جائز ہے اور بدن میں لگانے کے بعد اس کا اثر احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں:

"بل الصواب ما قاله الجمهور ان الطیب مستحب للاحرام" (نووی شرح مسلم ص۳ ج۱)

جمہور کا مذہب یہی ہے کہ خوشبو احرام کے لئے جائز ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ پہلی حدیث میں زعفران لگانے سے روکا گیا ہے۔ زعفران ویسے بھی مردوں کیلئے بطور خوشبو استعمال کرنا منع ہے اور جس کپڑے کو لگا ہو، اسکو محرم نہیں پہن سکتا۔ اور بدن پر اگر احرام کے وقت خوشبو لگائے اور احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں۔ کپڑے اور بدن کا فرق ہے۔ زعفران اور غیر زعفران کا بھی فرق ہے۔ پس دونوں حدیثیں ٹھیک ہیں۔ احرام کے وقت خوشبو لگانا جائز ہے اور جس کپڑے کو زعفران لگا ہوا ہو اس کو پہننا محرم کو منع ہے۔ اور احرام باندھ کر خوشبو لگانا مطلقاً ممنوع ہے۔

کیا رسول اللہ نے اللہ کو دیکھا تھا؟

"ابوذر نے حضور سے پوچھا کہ کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا، ہاں میں نے دیکھا تھا، وہ ایک نور ہے!" (مسلم)

لیکن یہی ابوذر اگلی حدیث میں کہتے ہیں، میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ کو دیکھا تھا؟ فرمایا: ھو نور انی اراہ "وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟"

الجواب:

پہلی حدیث کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اصل لفظ یہ ہیں:

"قال ابوذر قد سألتہ فقال رأیت نوراً"

"ابوذرؓ کہتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپؐ نے رب کو دیکھا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، میں نے نور دیکھا ہے!" یعنی اللہ کو نہیں دیکھا بلکہ نور کو دیکھا ہے۔ جیسا اس کے بعد کی روایت میں ہے:

"حجابہ النور"　　　　(اللہ کا حجاب نور ہے)

نووی نے لکھا ہے:

"رأیت نوراً معناہ رأیت النور فحسب ولم ار غیرہ"

کہ "رأیت نوراً" کا یہ معنیٰ ہے کہ میں نے صرف نور دیکھا ہے، اور کچھ نہیں دیکھا"

شہد والا قصہ:

مشہور واقعہ ہے کہ حضور نے اپنی ایک زوجہ کے ہاں جاکر شہد کھایا۔ چند دیگر ازواج نے سازش کرکے کہا کہ آپ کے منہ سے بدبو آتی ہے جس پر حضور نے قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں کھاؤنگا اور معاً یہ آیت نازل ہوئی "اے نبی، ایک حلال چیز کو حرام کرنے کا اختیار آپ کو کس نے دیا؟ کیا آپ بیویوں کو خوش کرنے کیلئے یہ کر رہے ہیں؟ (القرآن)

اس حدیث کو تجرید البخاری کی ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نے حضرت زینب کے ہاں شہد کھایا اور حضرت عائشہ اور حفصہ نے سازش کی۔ لیکن ایک اور حدیث تجرید البخاری ص۸۹۳ میں بتایا گیا ہے کہ شہد حفصہ کے ہاں کھایا گیا اور سازش حضرت عائشہ حضرت سودہ اور حضرت صفیہ نے کی تھی۔"

الجواب: محدثین نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ امام بخاریؒ اس حدیث کو صرف معرفت کے لئے لائے ہیں۔

یا اصل واقعہ کی تحقیقات کیلئے۔ اور ممکن ہے کہ شہد کا واقعہ دو دفعہ گذرا ہو۔ ایک دفعہ آپ نے مائی حفصہ کے ہاں شہد کھائی ہو۔ پھر آپ نے ان کے گھر میں اس قسم کی شہد کھانی بند کر دی ہو۔ پھر اتفاقاً جب تازہ شہد مائی زینبؓ کے گھر آیا تو آپؐ وہاں کھانے لگے تو مائی حفصہؓ اور مائی عائشہؓ نے آپؐ سے مطلقاً شہد حرام کرا دی اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جو ہر دو واقعہ پر چسپاں ہو سکتی ہے۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ مائی حفصہؓ اور مائی عائشہؓ کے اس فعل کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے واقعات تفاسیر میں متعدد ذکر ہوئے ہیں۔ مگر ایک واقعہ شانِ نزول بنا اور باقی پر آیت منطبق ہوئی۔ صحابہؓ انطباق کو بھی نزول سے تعبیر کر دیتے تھے۔ اور قرآنِ مجید میں واقعات کے تعدد کی طرف اشارہ موجود ہے۔ شروع سورت میں ازواج بصیغہ جمع ذکر کیا ہے۔ یعنی دو سے اوپر ازواج مطہراتؓ اس واقعہ میں شریک تھیں۔ اور آگے چل کر تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنے دو کے ہیں۔ چونکہ آخری واقعہ میں دو ہی تھیں اور اسی واقعہ کے متصل قرآن کی آیات اتریں۔ اس واسطے ان کا ذکر نمایاں طور پر کیا ہے۔

آگے ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں:

شقِ صدر:

”صفحات گزشتہ میں ہم حضرت انسؓ کی یہ روایت درج کر چکے ہیں کہ کس طرح حضرت جبریلؑ نے رسول اللہ صلعم کا سینہ بچپن میں چیر کر دل کا وہ حصہ کاٹ ڈالا تھا جس پر شیطان کا تسلط ہوا کرتا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق ابو ذر کہتے ہیں کہ جبریل چھت پھاڑ کر گھر میں اتر آیا تھا۔ اور اس نے آپ کا سینہ چیرا تھا۔“ (مسلم ج ۱، ص ۳۲۴)

”چھت پھاڑنے کی بھی خوب کہی۔ ایک نوری مخلوق جس کا نہ کوئی جسم تھا نہ وزن، اس کو چھت پھاڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر بالفرض وزن و جسم تھا تو کیا گھر میں داخل ہونے کے لئے دروازہ نہ تھا۔ سب کچھ تھا۔ لیکن جب تک ہمارے علماء داستان میں ڈرامائی رنگ نہ بھر لیں، انہیں تسلی نہیں ہوتی۔ اسی واقعہ کو مالک بن صعصعہ خواب کا واقعہ بتاتے ہیں۔ اور میرے خیال میں یہ صورت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔“ (دو اسلام ص ۳۲۱)

الجواب:

پہلے تو اعتراض کیا، بعد میں خواب کا واقعہ بتا کر سب واقعہ کو صحیح بنا لیا۔ کیونکہ اعتراض تو اس صورت میں پڑتا ہے جب واقعہ بیداری کا ہو۔ اگر خواب کا واقعہ ہو تو چھت پھاڑنا اور سینہ چاک ہونا سب کچھ روزمرہ کے واقعات خواب میں دیکھا جاتا ہے۔

اور اگر اس طرح کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ اس خاص گھر سے نکالنا مقصود تھا، اس لئے چھت پھاڑی۔ اب اگرچہ دروازہ سے نکالے جا سکتے تھے مگر آسمان سے سیدھا آنے کا اشارہ تھا کہ اب کسی خاص کام کے لئے آئے ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس واقعہ کا پہلا حصہ خواب کا ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس رات جیسا کہ بعض روایات میں ہے، مسجد میں تھے۔ مگر آپؐ کو خواب میں ایسا معلوم ہوا کہ میں ام ہانی کے گھر میں ہوں جبرائیلؑ چھت پھاڑ کر مجھے لائے، پھر مسجد میں لٹا کر سینہ چاک کیا۔" الخ

خیر النساء کون ہے؟

" ابوموسیٰ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ مردوں میں بڑے بڑے کامل انسان ہو گزرے ہیں۔ لیکن عورتوں میں آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے بغیر کوئی عورت درجۂ کمال تک نہیں پہنچی۔ اور یاد رکھو کہ جس طرح ثرید کھانوں کا سردار ہے، اسی طرح عائشہ تمام عورتوں کی سردار ہے۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت عائشہ خیر النساء ہیں۔ لیکن ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ:

" امتِ عیسیٰ کی بہترین عورت مریم تھی۔ اور میری امت کی بہترین خدیجۃ الکبریٰ ہیں"۔ (بخاری)

یعنی خدیجۃ الکبریٰ خیر النساء ہیں۔

اور ایک اور حدیث میں حضرت فاطمہ کو جنتی عورتوں کا سردار قرار دیا گیا ہے (بخاری)۔۔۔۔ اب ہم کیا سمجھیں کہ خیر النساء کون ہے؟ (دو اسلام)

الجواب:

وجوہِ فضیلت مختلف ہیں۔ مائی خدیجہؓ نے مالی اعانت سب سے زیادہ کی۔ اس لحاظ سے آپؐ کی سب ازواج مطہراتؓ سے بہتر ہیں۔ اور مائی عائشہ صدیقہؓ علمی خدمت میں سب امہات المؤمنین سے بہتر ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ جوہرِ فطرت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے متعلق خیر النساء کا لفظ آیا ہے اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کے متعلق آیا ہے کہ جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت باقی عورتوں پر ہے۔ ثرید کی فضیلت جزئی ہے کلی نہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت بھی جزئی ہے اور وہ ہے علمی خدمت۔ اور حضرت فاطمہؓ کے متعلق آیا ہے کہ: "سیدۃ نساء اھل الجنۃ"، وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں"۔ اور یہ فضیلت مطلقہ ہے جو کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔ فافہم!

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)